ڈاکٹر محمود الحسن عارف
صدر نشین شعبہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

اکیسویں صدی میں علوم عصریہ اور عوامی خدمت کی اہمیت

اکیسویں صدی کی آمد آمد ہے اس موقع پر مغربی ملکوں میں خصوصاً جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جارہا ہے ایسے لگتا ہے جیسے دنیا نئے سرے سے جنم لے رہی ہو، یا پھر ہمارے سائنس دانوں نے ستاروں سے آگے کوئی نیا جہاں دریافت کر لیا ہو، اور یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو دنیا اس میں نقل مکانی کرنے جارہی ہے۔

دوسری طرف اسلامی دنیا، ...... گومگو کے عالم میں ہے ...... جدید پڑھا لکھا طبقہ اسکے حق میں پرجوش نعرے بلند کر رہا ہے اور قیامت پرست مذہبی رہنما اسکے خلاف جوشیلی تقریریں کر رہے ہیں۔ ان حالات میں "الحق" اکوڑہ خٹک کا یہ اقدام یقیناً باعث تحسین و تبریک ہے کہ اس نے اس حوالے سے اپنے اوراق کا دامن دونوں طبقوں کیلئے پھیلا دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ

ع صلائے عام ہے یار ان نکتہ دان کیلئے

اس سے پہلے، کہ ہم اس موضوع پر کچھ عرض کریں، مناسب ہوگا کہ یہ دیکھا جائے کہ زندہ قومیں اپنے قومی اور مذہبی دن کیوں مناتی ہیں؟...... دراصل "قومی دن" قوموں کو اپنے وجود و تشخص کا احساس بخشتے ہیں اور آنے والی نسلیں ان دنوں سے وابستہ قومی یادوں کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتی ہیں۔ اس تناظر میں جب ہم سال نو کے طوفان بد تمیزی بپا کرنے والے جشنوں اور اس موقع پر ہونے والے بے ہنگم شور و غل کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے تک پہنچے بغیر نہیں رہتے کہ یہ سب کچھ شاندار ماضی کو "تابناک مستقبل" سے ملانے کا ایک بھونڈا انداز ہے اور چونکہ مغرب نے "اظہار مسرت" کا دنیا کو جو "نیا اسلوب اور آہنگ" دیا ہے اس میں "جسمانی کرتبوں" کو تمام تر اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے 'من' اور 'من کی دنیا' کے ہر نظارے کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اسی لئے وہ ان موقعوں پر اظہار مسرت کیلئے اسکے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتے اور نئی صدی کا آغاز بھی اسی طریقے سے کرنے کا پروگرام بنایا جارہا ہے۔

اسکے برعکس اسلام میں اظہار مسرت کیلئے 'تن' کی دنیا کی بجائے 'من کی دنیا' کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اسلیئے اسمیں عید جیسے خوشی کے موقع پر بھی خطبے نماز اور دعا کے ذریعے اظہار مسرت کا طریقہ سکھایا گیا ہے پھر احکام اسلام کی رو سے وقت اور زمانہ ایک مسلسل جاری و ساری رہنے والا عمل ہے۔ بقول

شاعر مشرق، علامہ اقبال

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

اسلام میں زمانہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا اور ہر دم جوان اور ہر آن رواں رہنے والا زندگی کا ایسا دریا ہے جو ازل سے ابد تک جاری رہے گا اور جسکے سوتے ازل کے چشموں سے پھوٹتے اور ابد کی وادیوں تک پہنچتے نظر آتے ہیں...... اسی لئے رسول کریم ﷺ نے زمانے کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے اور قرار دیا ہے کہ 'زمانہ' در حقیقت اللہ بزرگ و برتر کے تکوینی احکام کا مظہر ہے، فرمایا۔ **لا تسبوالدهر نجان الله هوالدهر** زمانے کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ زمانہ خدا ہے۔

۱۔ زمانے کی اہمیت

تاہم ایک اعتبار سے اسلام نے زمانے کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے وہ اس طرح کہ زمانہ اختلاف لیل و نہار سے عبارت ہے جس میں لوگوں کیلئے بڑی عبرتیں اور بصیرتیں پنہاں ہیں(۱) جن میں سے ایک یہ ہے کہ وقت کے یہ پیمانے لوگوں کو وقت گزرنے کا احساس دلاتے ہیں اور ان پیمانوں کے ذریعے بندہ اپنے مسافر ہونے اور اس دینا کے 'مسافر خانہ' ہونے سے باخبر رہتا ہے۔

شب و روز کے ان پیمانوں میں ایک اور بصیرت یہ ہے کہ بندہ ان کے ذریعے اپنے گزرے ہوئے ماضی کا تجزیہ (analyses) اور اپنے مستقبل کیلئے منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ نئی صدی کی صبح کا آغاز اسی حوالے سے بہر حال اہمیت رکھتا ہے۔

وقت اور زمانے کی جس مقدار کو صدی کہا جاتا ہے یہ مقدار اسی بنا پر اہمیت رکھتی ہے کہ زندہ اور اولوالعزم قومیں، تاریخ کے اس نازک اور اہم حصے میں پچھلے حالات کا جائزہ لیکر مستقبل کے لئے منصوبہ بندی، کرتی ہیں اور آئندہ کے لئے ایسے اقدامات تجویز و طے کرتی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے وسائل کو بہتر طریقے پر استعمال میں لا سکتی ہیں۔ اسلیئے نئی عیسوی صدی (millenium) کی ابتداء بھی اسی قسم کا موقع ہے۔

اس موقع پر ایک طرف عیسائیت اپنے معاشی غلبے کے بعد مذہبی غلبے اور پوری دنیا پر اپنے استبداد کا پروگرام بنا رہی ہے تو دوسری طرف اسلامی دنیا اپنے آپ کو مغرب کے معاشی، سیاسی اور مذہبی محاصرے سے بچانے کے بارے میں غور و فکر میں مصروف ہے۔

۲۔ منصوبہ بندی کا فقدان...... ہمارا قومی المیہ

یہاں اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا کہ 'منصوبہ بندی کا فقدان ہمارا قومی شعار ہے تو بالکل بجا

ہوگا اس لئے کہ خواہ ملکی سطح ہو یا نجی اور انفرادی سطح ہر سطح پر منصوبہ بندی نہ کرنا ہماری روایت کا ایک حصہ ہے ہماری مثال تو صحرا میں بھٹکے ہوئے اس مسافر جیسی ہے جسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس کی منزل مقصود کیا ہے اور جو ہر شجر سایہ دار کو اپنی منزل مقصود سمجھ کر اسے اپنی قرار گاہ بنا لیتا ہے لیکن کچھ عرصے کے بعد اسے پتہ چلتا ہے، کہ اسے تو دراصل کہیں اور جانا تھا۔

اسلامی دنیا (OIC) اس وقت ۵۰ سے زائد اسلامی مملکتوں پر محیط ہے اور اسے (آرگنائزشن آف اسلامک کنٹریز کو) منصۂ شہود پر آئے ہوئے تیس برس ہو رہے ہیں (اسکی ابتداء ۱۹۶۹ء سے ہوئی تھی) مگر تیس برسوں میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جسے اس عالمی تنظیم کے "اعمال خیریہ" میں شامل کیا جائے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں مذہبی جماعتیں اور تنظیمیں کئی سو کی تعداد میں ہونے کے باوجود کسی منظم منصوبہ بندی اور واضح پلاننگ کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں ان حالات میں نئی صدی کے نئے منصوبوں کی بات کرنا نقار خانے میں طوطی کی آواز کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، بایں ہمہ بھی اس "ساز کہن" کو بجانے میں کیا حرج ہے؟

۳۔ اندیشہ ہائے دور دراز

بیسویں صدی کے اختتام اور ...... اکیسویں صدی کے آغاز پر ...... عیسائی دنیا ...... خصوصاً ایشیاء پر قبضے اور غلبے کے سنہری خواب دیکھ رہی ہے۔ پوپ جان پال نے نہرو سٹیڈیم (بھارت) میں ۵۰ ہزار عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "آنے والی صدی ایشیاء میں عسائیت کی صدی ہے انہوں نے جنوبی ہندوؤں کے مظاہروں کے باوجود اپنے مذہب کی تبلیغ کو فریضہ قرار دیا۔" عیسائی دنیا نے بہت عرصے سے مسلمانوں میں تبلیغ کیلئے دو ذریعے اور طریقے اپنا رکھے ہیں گمان غالب ہے کہ وہ اس صدی میں ان ذریعوں کو مزید وسعت دیں گے۔ ان میں سے ایک طریقہ بہبود عوام کا ہے اور دوسرا طریقہ لوگوں کو جدید تعلیم education مہیا کرنا ہے۔ عیسائیوں کے تمام مذہبی ادارے انہی خطوط پر دنیا بھر میں عیسائیت کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔ اپنے ارادوں کے ذریعے انکی اولین کوشش تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو عیسائی بنائیں اور اگر کسی کو عیسائی نہ بنا سکیں ...... تو تب وہ کوشش کرتے ہیں وہ انکو 'نامذہب' secular بنادیں یا کم از کم انکے عیسائیوں کے بارے میں تعصب ہی کو کم کر سکیں۔

عیسائیوں کے ان ہتھکنڈوں کا ازالہ صرف تقریروں اور نعروں سے ممکن ہے اور نہ ہی مناسب ...... اس کیلئے اگلی صدی میں مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں کو بڑی گہری منصوبہ بندی، محنت اور قربانی کی ضرورت ہوگی اور اسکے لئے کام کی حسب ذیل ترتیب متعین کرنا ہوگی۔

۱۔ جدید تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام

نئی صدی اور جدید دنیا کی سب سے اولین ضرورت تو ایسے تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام ہے جہاں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ قدیم تربیت بھی مہیا کی جائے یہ کام جب مذہبی اداروں اور دینی تنظیموں کے تحت فروغ پذیر ہوگا اور اس میں قدیم و جدید طریقوں کا امتزاج عمل میں آئے گا تو اسکا رنگ ہی منفرد ہوگا۔

اس پہلو پر کام کرنے کیلئے سب سے پہلے تو ذہن سازی کی ضرورت ہے ہمارا مذہبی طبقہ ابھی تک جدید فکری اور فنی تعلیم کی اہمیت سے کماحقہ آگاہ نہیں ہے یا اگر آگاہ ہے تو اس سے تجاہل عارفانہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اسلام میں ''علم کے حوالے'' سے ''دینی اور دینوی'' کی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اسلام نے ان تمام اساسی علوم کو اہمیت دی ہے جو انسان کیلئے کارآمد ہیں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاعلوم الدین میں علم کے حوالے سے جو گفتگو کی ہے اس میں انہوں نے علوم کو اچھے اور برے علوم کی دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے اور یہ تقسیم انکے استعمال کے اعتبار سے ہے، مثال کے طور پر علم طلسم و نیر نجات کو انہوں نے برے علوم کے تحت رکھا ہے اس لئے کہ یہ علوم انسانوں کے لئے کارآمد نہیں ہیں۔ (۳)

اس سلسلے میں اگر ''کارآمد'' ہونے ہی کو مدار ٹھہرالیا جائے تو جدید علوم و فنون کی اہمیت از خود واضح ہو جاتی ہے اور پھر نبی اکرم ﷺ نے الحکمة ضالة المومن کہہ کر مسلمانوں کو جن علوم کی طرف متوجہ کیا تھا کیا وہ صرف مذہبی علوم ہی تھے ؟ اگر ایسا تھا تو انہیں ضالة المئومن(۴) (مومن کی متاع گم گشتہ) قرار دینے میں کیا حکمت ہے ؟ اور پھر اگر اس فہرست میں جدید علوم و فنون شامل نہیں ہیں تو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جب آج سے بدرجہا بہتر اور افضل لوگ موجود تھے یونانیوں کے علوم و فنون کی بند کوٹھریاں کیوں کھولی گئیں اور بڑے بڑے مذہبی لوگوں اور دینی رہنماؤں نے ان علوم کو کیوں سیکھا ؟ اور دوسروں کو سکھایا اور ان علوم پر کتابیں، تصنیف و تالیف کیں اور پھر ان میں سے بہت سے علوم مثلاً منطق، فلسفہ اور قدیم عربی ادب...... آخر کس بنا پر ابھی تک دینی مدارس کے نصب میں داخل اور شامل ہیں ؟

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے تو دین اور دنیا کی تفریق نہیں کی تھی۔ بلکہ اسلام کے نزدیک تو علوم کی دو قسمیں تھیں۔ العلم علمان، علم الابدان وعلم الادیان۔ (امام شافعی) تمام علوم ہی دینی اور اسلامی ہیں...... تو پھر ان علوم سے اتنی پہلو تہی کیوں اور کس لئے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ انہی علوم کو اپنی ڈھال بنا کر غیر مسلم اپنا کلچر اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت مسلم معاشرے میں پھیلا رہے ہیں ان حالات میں ان علوم سے ہماری پہلو تہی ایک مجرمانہ فعل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ دینی اور مذہبی ادارے تو پہلے ہی بمشکل اپنے ادارے چلا رہے ہیں وہ بیچارے ان جدید تعلیم گاہوں کا بوجھ کیسے برداشت کرسکتے ہیں؟ یہ سوال بہت اہم ہے لیکن جدید تعلیم و تربیت مہیا کرنے والوں کیلئے یہ مسئلہ کوئی اہم نہیں ہے اسلئے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں تمام دینی اداروں کا انتظام وانصرام عطیات اور چندوں پر ہوتا ہے لیکن "جدید تعلیم وتربیت" کا تمام تر نظام "خود کفالتی" یا "منافع بخش اسکیم" کے تحت انجام پذیر ہوگا اس اسکیم کیلئے صرف اچھی اور باوقار تعلیم گاہ مہیا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسکے تمام اخراجات ...... ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے یا ان کے سرپرست خود برداشت کریں گے۔

دینی اور مذہبی اداروں کے تحت "جدید تعلیم" مہیا کرنے کا یہ تجربہ ہندوستان، ترکی، شام الجزائر، مصر انڈونیشا ملائیشیا اور سعودی عرب وغیرہ میں "منافع بخش" طریقے پر کامیاب رہا ہے اور عالمی طور پر بے حد فائدہ مند ہے۔ اور خود پاکستان میں بھی اس طرح کے کئی ادارے منافع بخش طور پر عمدگی اور کامیابی سے چل رہے ہیں۔ (۵) ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ لوگوں کے لئے ان کے شایان شان عمدہ اور اچھا تعلیمی ماحول مہیا کیا جائے۔ اور اس نہج پر کام کو آگے بڑھایا جائے اسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود بڑے بڑے دینی ادارے اپنی نگرانی میں یہ فریضہ سرانجام دیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاں سے فارغ ہونے والے طالب علموں کو یہ ہدف دیں اور اسکے لئے انہیں ضروری مشاورت اور نگرانی مہیا کریں۔

ان دینی اداروں سے ملحق اداروں یا انکے زیر سرپرستی اداروں میں نصاب تعلیم پر بھی نظر ثانی کی جائے۔ اور حکومت پاکستان نے جن جن مضامین میں اپنا مرتب کردہ مواد رکھنے کی گنجائش رکھی ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے نصاب تعلیم کو ممکنہ حد تک عمدہ اور دینی بنایا جائے اسطرح ان اداروں سے جو لوگ فارغ التحصیل ہونگے وہ پورے ملک میں ان اداروں کیلئے نیک نامی کا باعث بھی بنیں گے اور ان کالے انگریزوں کا ٹھیک علاج ثابت ہونگے۔ جو "بدیسی" اداروں کے تحت تعلیم حاصل کر کے ملک میں بے دینی اور الحاد کی پھیلا رہے ہیں۔ اس مقصد کے تحت، پرائمری، مڈل، ہائی سکول اور فنی تربیت کے اداروں کا قیام ایک منظم طریقے سے عمل میں لایا جانا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے حکومت کے مختلف اداروں سے مالی اور فنی امداد واعانت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ (۶)

۲۔ رفاہ عامہ (ہسپتال، کلینکس) وغیرہ کا قیام :

غیر مسلموں کی تبلیغی، دعوتی سرگرمیوں کا توڑ کرنے کے لئے دوسرا راستہ ایسے رفاہ عامہ اور بہبود کے اداروں کا قیام عمل میں لانے کا ہے جو عوام کے لئے بہتری اور بھلائی کا ذریعہ ثابت ہوں، جیساکہ اوپر تذکرہ ہوا۔ عام طور پر ہمارے ہاں جو مذہبی ادارے اور تنظیمیں کام کررہی ہیں ان کی تمام تگ و دو اور دوڑ دھوپ صرف مساجد اور مدارس قائم کرنے اور انکے چلانے تک محدود ہے اور ملک و قوم کے لئے رفاہی کاموں کی بجاآوری کو سب اپنے دائرہ اختیار سے باہر خیال کرتی ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے اسلام اللہ تعالیٰ کا وہ آخری اور کامل ترین دین ہے جو حقیقت اور سچائی کے بین الاقوامی اصولوں استوار پر ہے اسکا مادہ سلم ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ گویا اسلام ایسا مذہب ہے جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی سلامتی کا علمبردار ہے، اور اس کا دعوی ہے کہ اس مذہب کو قبول کرنے والے دنیا اور آخرت میں امن و سلامتی کے حق دار ٹھہرتے ہیں اور یہ کہ اس نظام حیات پر عمل کرنے سے انکے جسم اور ان کی روح مختلف قسم کی پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ : اذ جاء ربه بقلب سليم (۷) ''جب وہ اپنے رب کے پاس سے قلب سلیم لے کر آئے'' قلب سلیم سے ایک تو مراد یہ ہے کہ ان کا دل ہر روحانی عارضے سے صحیح و سالم تھا اور دوسرا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ جسمانی طور پر بھی انکا دل ہر مرض اور ہر عیب سے پاک و منزہ تھا۔

ہمارے اس دعوی کی مزید تائید ان احادیث طیبہ سے بھی ہوتی ہے جن میں نماز کی پابندی کرنے والے کو تمام موذی امراض سے صحت و سلامتی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے قلبی اور روحانی وظائف کا اس کی ظاہری اور جسمانی حالت پر بھی بڑا اثر پڑھتا ہے اور اب تو میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ مذہبی اعمال اور وظائف کرنے والے بڑی بڑی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر اسلام نے لوگوں کو روحانی امراض سے سلامتی کا خالی مژدہ ہی نہیں سنایا بلکہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے مجسمہ امن و سلامتی بن جائیں رسول رحمت ﷺ نے اپنے ایک پاکیزہ ارشاد میں فرمایا : المسلم من سلم المسلون من لسانه ويده (۸) ''مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں'' پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔ من قتل نفساً بغير او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعاً (۹) ''جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا بغیر اسکے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے، کی سزا دی جائے اس

نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص اسکی زندگی کا موجب ہوا تو گویا وہ تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی زندگی کے رفاہی پہلو کو اتنی اہمیت عطا فرمائی کہ اسی پر نجات کامل کی اساس رکھی ہے مثال کے طور پر ایک حدیث طیبہ میں ایک فاحشہ عورت کی صرف اس بنا پر مغفرت کیے جانے کا ذکر ہے کہ اس نے ایک پیاس سے مرنے کے قریب کتے کو اپنی اوڑھنی کے ذریعے، کنویں سے نکال کر پانی پلایا تھا اور ایک عابد وزاہد عوت کی 'صرف اس بنا پر مبتلائے عذاب کئے جانا کا بیان ہے کہ اس نے اپنی پالتو بلی کو رسی سے باندھ دیا تھا جس کی بنا پر وہ بھوک اور پیاس سے ہلاک ہوگئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رفاہ عامہ اور عوام الناس کی خدمت اور بھلائی کے کام اسلام میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اسلام میں انکی اہمیت کسی طرح بھی روزے، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی بجاآوری سے کم نہیں ہے۔

یہ بات یہیں تک محدود اور موقوف نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اس نوع کے معمولی سے اعمال پر بھی ثواب اور اجر کی بشارت دی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث مبارکہ میں راستے میں کانٹے یا کسی اور تکلیف دہ شے کے اٹھانے پر اجر و ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے اور بعض دوسری ولایات میں رفاہ عامہ کے لئے کئے ہوئے کنوؤں کو ایسا صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے جن کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑے اعمال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ثواب اور اجر کا انداز کیا ہوگا۔

۳۔ صحت و تندرستی کے مسائل

اسلام کے رفاہ عام اور افادہ عوام کے اس پروگرام میں لوگوں کی صحت و تندرستی کے لئے اختیار کردہ تدابیر اور مساعی کو خصوصی فوقیت حاصل ہے اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن حکیم میں ایک انسان کی جان بچانے کے عمل کو تمام انسانیت کی جان بچانے کا عمل قرار دیا گیا ہے اور خود نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسلام کی ساڑھے چودہ سو سالوں کی تاریخ سے اسکا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

قدیم زمانے میں ہسپتال کو بیمارستان کہا جاتا ہے اس میں مزید تخفیف ہوی تو یہ لفظ مارستان بن گیا اسلامی تاریخ میں پہلا مارستان یا ہسپتال خود نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم کیا یہ واقعہ ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر پیش آیا۔

سیرت طیبہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس جنگ میں معروف صحابی اور قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ شدید طور پر زخمی ہوگئے نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے مسجد نبوی میں خیمہ نصب فرمایا اور حضرت رفیدہ اسلمیہؓ کو انکی مرہم پٹی پر مامور کیا۔ حضرت رفیدہ دن میں کئی مرتبہ حضرت سعدؓ کی عیادت اور دیکھ بھال فرماتی تھیں لیکن تمام تر احتیاطی تدابیر اور علاج معالجہ کے باوجود ایک صبح لوگوں نے

دیکھا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے خیمہ سے خون کی ایک دھار باہر کی طرف بہہ رہی ہے، دیکھا گیا تو حضرت سعد کا زخم کھل گیا تھا اور خون زیادہ بہہ جانے کی بنا پر ان کا اسی زخم سے انتقال ہو گیا یہی حضرت سعد تھے جن کے جنازے پر رسول اللہ ﷺ ایڑیاں اٹھا اٹھا کر چل رہے تھے پوچھنے پر آپؐ نے بتایا کہ ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے بھی نازل ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں طب اور میڈیکل کے شعبے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ خود نبی اکرمؐ نے اس پیشے کو اپنے طرز عمل سے مشرف فرمایا، نامور محدث امام ترمذی نے اپنی جامع میں ایک خصوصی باب 'کتاب الطب' کے عنوان سے قائم کیا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے طریقہ علاج کے بارے میں بہت سی روایات شامل فرمائی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ صرف روحانی امراض کے معالج تھے بلکہ آپؐ جسمانی عوارض اور بیماریوں کے لئے بھی طبیب کامل تھے، اس طرح اس پیشے کیلئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہوگا کہ اسے 'سنت نبوی' ہونے کا اعزاز حاصل ہے بشرطیکہ یہ پیشہ خدمت عوام کے جذبے کے ساتھ اختیار کیا جائے۔

اسلام سے پہلے ہسپتالوں کے وجود کا کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا کچھ لوگ اسے ایک اسطیری قطبی حکمران مناقیوش کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کچھ لوگ یونان کے معروف حکیم بقراط کی طرف لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مذکورہ سنت سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی تاریخ میں پہلا ہسپتال یا مارستان نامور اموی خلیفہ الولید اول (۸۶۔۹۶ھ / ۷۰۵۔۷۱۵ء) نے قائم کیا اس میں کئی اطباء رکھے اور ان کی تنخواہیں (ارزاق) مقرر کیں۔[۱۲]

نامور مورخ علامہ ابو جعفر الطبری نے لکھا ہے کہ الولید نے کوڑھیوں کو علیحدہ رکھنے کا حکم دیا اور ان کیلئے عام لوگوں سے اختلاط ممنوع قرار دیا اور انکے لئے معاشی مدد مقرر کی۔ الطبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ الولید نے ان کو عطیات دیئے اور انہیں بھیک مانگنے سے منع کیا اس نے ہر اپاہج کے لئے ایک خادم اور ہر اندھے کیلئے ایک عصا کش (رہنما) مقرر کیا۔[۱۳] کیا مریضوں کیلئے اتنی فیاضی اور دریادلی کے ساتھ آج کے دور میں بھی اسطرح کے سلوک کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہسپتال کے قیام کا یہ تو نقطہ آغاز تھا حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا ہر باب بڑے بڑے ہسپتالوں کے ذکر سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ جب بنو عباس نے "بغداد" کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا جسے "عروس البلاد" کہنا چاہیے تو اس شہر کے ہر حصے میں ہسپتالوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بغداد کا سب سے بڑا اور مرکزی مارستان بغداد کی جنوب مغربی جانب مضافات شہر میں نہر کرخایا کے کنارے واقع تھا۔ اس ہسپتال کو نامور عباسی خلیفہ هارون الرشید عباسی (۱۷۰ھ / ۷۸۶۔ ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء) نے قائم کیا تھا یہ ہسپتال اگلی کئی صدیوں تک

عوام کی خدمت انجام دیتا رہا۔بغداد ہی میں ایک بڑے ہسپتال کی بنیاد بدر المعتضد (۲۷۹ھ / ۸۹۲۔ ۲۸۹ھ / ۹۰۲ء) کے غلام المعتضدی نے دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر المخرم کے علاقے میں رکھی تھی (۱۴) بغداد ہی کے علاقہ حربیہ میں ایک اور مارستان شہر "المنصور" کے شمال میں واقع تھا جس کیلئے ۳۰۲ھ / ۹۱۴ء میں وزیر ابو الحسن علی بن عیسیٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا اس وزیر کے زمانے میں کئی ہسپتال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قائم ہوئے جن کی نگرانی وزیر ابو الحسن علی بن عیسیٰ نے ابو عثمان سعید بن یعقوب الدمشقی کے سپرد کی تھی۔ یہ تو صرف ابتداء تاریخ اسلام کا محض ایک ورق تھا ورنہ اس دور میں ہر ایک شہر میں کئی کئی ہسپتال کام کرتے تھے جن میں باقاعدہ مریضوں کے قیام وطعام اور انکے لئے ادویات وغیرہ کا اہتمام ہوتا تھا ان ہسپتالوں سے ہزاروں لوگ بلا اجرت استفادہ کرتے تھے اور ہسپتالوں کا قیام اسلامی حکومت کیلئے لازمی فعل کی حیثیت رکھتا تھا ان سرکاری ہسپتالوں کیساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر بھی کئی ہسپتال قائم تھے جنکی سرپرستی مختلف صاحب حیثیت اور متمول لوگ کرتے تھے اور ان ہسپتالوں سے بلا تفریق مذہب وملت لوگوں کو خدمت مہیا کی جاتی تھی۔(۱۵)

ان ہسپتالوں کیلئے اطباء کا انتخاب خالصتاً میرٹ پر ہوتا۔ اسمیں مسلمان اور غیر مسلم کا فرق ملحوظ نہ رکھا جاتا، چنانچہ نامور حکمران ہارون الرشید عباسی کا طبیب خاص جبریل بن بخت یشوع ایک عیسائی تھا، جو شاہی طبیب ہونے کیساتھ ساتھ بغداد کے ہسپتال کا چیف میڈیکل آفیسر بھی تھا۔

ہسپتالوں میں مریضوں کو مفت ادویات مہیا کرنے کیساتھ ساتھ ان کی مالی امداد واعانت کا پہلو بھی مدنظر رکھا جاتا تھا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کوڑھیوں اور اپاہجوں کو حکومت کی طرف سے ایک ایک خادم بھی مہیا کیا جاتا تھا۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ہسپتالوں اور شفاخانوں کا قیام مسلمانوں کے شاندار ماضی کا ایک لازوال کارنامہ ہے اور اس کار خیر کی ابتداء کرنے کا شرف بھی مسلمانوں کو ہی حاصل ہے۔ اس وقت ہمارے ملکی مسائل میں یہ دو شعبے، (تعلیم اور رفاعہ عامہ کے پروگرام) بہت اہمیت رکھتے ہیں یہ در حقیقت رابطہ عوام کا ذریعہ بھی ہیں۔ موجودہ صدی میں علماء اور عوام کے مابین جو فاصلہ پیدا ہو گیا ہے اگر اگلی صدی میں یہ دونوں راستے اختیار کئے گئے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ علماء اور عوام کے درمیان ٹوٹا ہوا رابطہ پھر بحال ہو جائے گا۔ رابطہ عوام کا یہ کام، اپنی سطح اور اپنی حیثیت کے مطابق انجام دیا جائے، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں اس پروگرام پر چند سو روپے ماہانہ کے ذریعے اور بڑے شہروں میں چند ہزار روپے ماہانہ کے ذریعے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے مگر تجربہ شرط ہے۔ ہمارے خیال میں اگلی صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے لیکن اسکے لئے خصوصاً دیندار اور مذہبی طبقے کو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے پر انجام

دینا ہو نگی، اقبال کے ان امید افزاء اشعار پر اپنی گفتگو ختم کر تا ہوں۔

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی
آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئندہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

حوالہ جات

۱۔ آل عمران (۳/۱۹۱۔۱۹۲)

۲۔ نوائے وقت، لاہور، مورخہ ۷۔نومبر ۱۹۹۹ء

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الغزالی احیاء علوم الدین، جلد اول۔ قاہرہ

۴۔ ابن ماجہ السنن،مقدمہ

۵۔ مثلاً کراچی اور لاہور میں "اقراء" کے تحت چلنے والے ادارے اسکی واضح مثال ہیں۔

۶۔ حکومت کے متعدد ادارے، مثلاً ایجوکیشن فاؤنڈیشن وغیرہ، مختلف شرائط کے تحت تعلیمی اداروں کو گرانٹس وغیرہ مہیا کر رہے ہیں۔

۷۔ الصافات (۳۷؟۸۴)

۸۔ البخاری، الجامع الصحیح (کتاب الایمان)

۹۔ المائدہ (۵/۳۲)

۱۰۔ دیکھئے النووی ریاض الصالحین

۱۱۔ ابن حجر العسقلانی :الاصابہ (جلد اول مقالہ سعد بن معاذ اور جلالہ ۔مقالہ رفیدہ اسلمیہ)

۱۲۔ المقریزی، خطط، ۲: ۴۰۵

۱۳۔ الذہبی، تاریخ الاسلام، ۴، ۶۷

۱۴۔ ابن ابی اصیبعہ، ۱: ۲۲۱۔۲۱۴

۱۵۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ "بیمارستان"